اردو ادب میں سیرت نگاری کا محدثانہ اسلوب "سیرت المصطفیٰ ﷺ" کی روشنی میں

محمد سعد صدیقی☆

Abstract:

"Seerah writing is an outstanding and proudful field for the Muslims through ages. The Muslim Seerah writers have adopted different styles and methods in this regard. The style of Seerah writing based on Hadith, the Prophetic word is most reliable and close to understanding of the spirit of Seerah of the Prophet (S.A.W). In this article this style is discussed in the light of the Seerah Al-Mustafa by Muhammad Idrees Kandhalwi and is made on effort to describe the style of Seerah writing based on Hadith and Urdu Literature."

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی میں صالح تبدیلی پیدا کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السّلام سے انبیاء علیہم السّلام کا سلسلہ شروع کیا، انبیاء نے انسانی اخلاقیات میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ انسانی اخلاقیات، انسانی تہذیب وتمدن اور اس کی معاشرت میں جو انقلاب نبی آخرالزماں نے برپا کیا، اُس کی نظیر تاریخ میں پیش کرنا ممکن نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں انسان کی عملی تہذیب و اخلاقیات میں انقلاب برپا کیا، وہاں علمی تہذیب اور علمی روایات واقدار میں بھی ایسا انقلاب برپا کیا کہ آپ کی حیات مبارکہ علوم وفنون کا سرچشمہ بن گئی۔ کوئی آپ کی احادیثِ مبارکہ کی نقل وتدوین کی جانب متوجہ ہوا، کسی نے اس کے بنیادی اصول اور معیارات کو اپنی جولانگاہ بنایا۔ کوئی قرآن کی تشریح وتعبیر کی طرف متوجہ ہوا تو کسی نے آپؐ کی زندگی سے فقہی وقانونی مسائل کے استنباط میں مشغول ومنہمک ہونے کو اپنا طرز تحریر قرار دیا۔ اور امت مسلمہ کے ایک بڑے طبقہ نے آپؐ کی سیرت کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ سے متعلّق

☆ چیئرمین شعبۂ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

معلومات حاصل کرنا، اِن معلومات سے استفادہ کرنا اور انھیں حرزِ جان بنانا اور یہ سمجھنا کہ سیرت طیبہ سے متعلق یہ تمام جذبات واحساسات صدر اسلام میں بھی موجود تھے، ہمارے نظریہ وفکر کا حصہ ہے۔ بقولِ شبلی نعمانی:

> ''عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا اور اسلام میں تدوین وتالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانے سے (تقریباً ۱۴۳ھ) ہوا، اس لیے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں، عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج گو کم سہی، مدت سے چلا آتا ہے۔''(۱)

ابتدائی زمانہ کے اسلوب سیرت نگاری پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ سیرت نگاری میں مؤرخانہ اسلوب بعد میں آیا البتہ آپ کی عادات، سیرت اور خصوصاً مغازی وسرایا سے متعلق احادیث جمع کرنے اور نقل روایات کا اسلوب پہلے ہی سے عام تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت النبی کا محدثانہ اسلوب سب سے پہلے معرض وجود میں آیا۔ بقول حکیم عبدالرؤف داناپوری:

امام زھریؒ سے پہلے سیرت اور حدیث کے عالموں میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، البتہ بعض علماء صاحب المغازی کے نام سے مشہور تھے، شاید اس وجہ سے کہ اُنھیں مغازی کی روایتیں زیادہ معلوم تھیں، یا اس وجہ سے کہ مغازی کی روایتیں زیادہ بیان کرتے تھے۔ امام زھریؒ کے وقت میں چار عالم بے نظیر سمجھے جاتے تھے، ابن المسیبؒ مدینہ میں، شعبیؒ کوفہ میں، حسن بصریؒ بصرہ میں اور مکحولؒ شام میں۔ یہ سب ائمہ حدیث بھی ہیں اور ائمہ سیر بھی، زھریؒ ان چاروں کے فیض یافتہ تھے اور امام زھریؒ کے شاگردوں نے ہی سنن اور سیرت کو بظاہر دو فنون کی حیثیت سے نمایاں کیا۔ ایک طرف امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ جیسے ائمہ حدیث اُن کے شاگرد تھے جنھوں نے علم حدیث کی بنیاد کو مستحکم کیا اور دوسری طرف امام السیر والاخبار محمد بن اسحٰق بن یسارؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ اُن کے شاگرد تھے جن کی روایات اور تصنیفات سے فن سیرت ایک مستقل فن بن گیا۔(۲)

داناپوری کی یہ تفصیل واضح کرتی ہے کہ پہلی صدی ہجری میں یعنی امام زھریؒ تک علم سیرت علم حدیث کا حصہ تھا اور پھر زھریؒ کے شاگردوں کے دور میں اگرچہ مستقل فن بنا لیکن محدثین کی روایات اور تالیفات کی بنیاد پر بنا یعنی سیرت میں محدثانہ اسلوب مقدم اور مؤرخانہ اسلوب مؤخر ہے۔ سیرت نگاری کا آغاز عربی کتب سے ہوا، بعدازاں اس صف میں فارسی شامل ہوئی اور پھر اردو زبان بھی اس صف میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوئی۔

اردو ادب کے سفر کا آغاز تصوف، شریعت، اخلاق اور فقہ اسلامی سے ہوا اور پھر اس میں سیرت النبی بھی شامل ہوگئی۔ بقول ڈاکٹر سید رفیع الدین: اردو نعتیہ شاعری کا آغاز نویں صدی ہجری میں ہوگیا تھا، چنانچہ خواجہ بندہ نواز گیسودراز سید محمد حسینی (م: ۸۲۵ھ) کے کلام میں نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں(۳)

جبکہ ڈاکٹر خالد کے مطابق اردو نظم میں سیرت کی تصنیف کا آغاز گیارھویں صدی ہجری میں اور اردو نثر میں تیرھویں صدی ہجری میں ہوا۔ (۴)

سیرت پر تالیفِ کتب کا سفر اپنے ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا جب ۱۸۵۷ء تک پہنچتا ہے تو اردو میں ۱۷ کتب تالیف کی جا چکی تھیں لیکن اُن میں سے بیشتر روایتی مولود نامے تھے جو محافل میلاد میں پڑھے جاتے تھے البتہ چند کتب ابھی بھی مل جاتی ہیں جو مستند کتب سیرت پر مبنی ہیں۔

انیسویں صدی کا آخری نصف حصہ اور بیسویں صدی کا ابتدائی حصہ اردو سیرت نگاری میں زریں عہد کہلاتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ (م: ۱۹۸۹ء) کی کتاب رحمۃ للعالمین نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اسی عہد میں شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی، مولانا اشرف علی تھانویؒ (م: ۱۹۴۳ء) کی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، مولانا ابو رشید محمد عبدالعزیزؒ کی ''سوانح عمری حضرت رسول کریم ﷺ''، سید سلیمان ندویؒ کے خطباتِ مدراس، پروفیسر نواب علی (م: ۱۹۶۱ء) کی کتابِ سیرت رسول اللہ، حکیم عبدالرؤف دانا پوریؒ (م: ۱۹۴۸ء) کی اصح السیر، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ (م: ۱۹۵۶ء) کی النبی الخاتم، چودھری افضل حق (م: ۱۹۴۳ء) کی محبوب خدا اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (م: ۱۹۷۴ء) کی سیرت المصطفیٰ نمایاں نظر آتی ہیں۔ (۵)

دورِ جدید میں سیرت پر کتب و تالیفات کا وسیع ذخیرہ موجود ہے جن میں محدثانہ طرز و اسلوب اختیار کرنے والے چند مؤلفین جن میں مولانا اطہر مبارکپوریؒ نے الرحیق المختوم، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے الصادق الامین اور حافظ زاہد علی ملک نے خصائص النبی کی تالیف کر کے ممتاز مقام حاصل کیا۔ اردو نثر میں محدثانہ اسلوب میں لکھی گئی کتب سیرت کے تعارف سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ محدثانہ اسلوب کیا ہوتا ہے اور محدثانہ اور مؤرخانہ اسلوب میں کیا فرق ہے۔

محدثانہ اسلوب کی حقیقت وخصوصیات

محدثین کی تاریخ اور اُن کے سوانحی واقعات اِس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ ایک محدث جب حدیث کی تحقیق، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو اپنا شعارِ زندگی بنالیتا ہے تو محدثانہ رنگ اُس پر اس قدر غالب آجاتا ہے کہ اُس کے عمومی معمولاتِ زندگی اور اُن سے متعلّق گفتگو حتیٰ کہ اُس کی نشست و برخاست سب کچھ حدیث کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ اخبار کیوں نہیں پڑھتے، جواب میں فرمایا کہ اخبار میں خبر ہوتی ہے کہ فلاں جگہ فلاں واقعہ پیش آگیا اور راوی نا معلوم ہے نہ معلوم ثقہ ہے، یا غیر ثقہ، اُس کی خبر کو رد کیا جائے یا قبول؟ (۶)

اسی طرح محدث کسی بھی علم وفن پر جب بھی قلم اٹھاتا ہے، اُس کا محدثانہ رنگ، اُس کی ہر تحریر و

تقریر میں نمایاں رہتا ہے۔ سیرت نگاری میں محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والے اشخاص جنہوں نے سیرت پر زیادہ کام کیا، دراصل حدیث کے متخصص تھے، ان کی عمر کا بیشتر حصہ اور وقت علم حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذرا انھوں نے سیرت کے ادب میں جو نمایاں خصوصیات پیدا کیں، انھیں حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والوں نے علم حدیث کے قواعد واصول کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور سیرت النبیؐ پر جمعِ مواد کے لیے جرح و تعدیل کے معیارات اور ردو قبولِ روایت کے اصول وضوابط کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔

۲۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والوں نے بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی اس بات کو مدنظر رکھا کہ جو چیز رسالتمآب ﷺ سے منسوب کی جائے وہ ایک سو ایک فیصد یقینی ہو، اور رسول اللہ کے ساتھ اُس کی نسبت میں ذرہ برابر بھی شک یا تامل نہ کیا جا سکے۔ (۷)

۳۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والے سیرت نگار اس بات کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ سے جو بات بھی منسوب کی جائے، اس کی مکمّل سند از اول تا آخر پورے تسلسل و اتصال کے ساتھ موجود ہے اور اس سند کے کسی بھی حصہ میں کہیں بھی انقطاع یا ابہام کی کوئی کیفیت موجود نہ ہو۔

۴۔ محدثانہ اسلوب اختیار کرنے والے مؤلفین اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ روایات کو نقل کرنے والا اُن معیارات کے آئینہ میں کس درجہ اور رتبہ کا حامل ہے جو ائمہ جرح و تعدیل نے مرتب کیئے ہیں۔ ائمہ جرح و تعدیل کے ترتیب دیئے ہوئے یہ معیارات اس قدر عقلی و نظری اور اس قدر اعلیٰ پائے کے ہیں کہ اِن معیارات پر پرکھے جانے کے بعد روایت کے ناقابل اعتبار ہونے کا تصور و احتمال ہی ختم ہو جاتا ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر اِن معیارات کے ترازو میں تلنے کے باوجود بھی روایات حدیث ناقابل اعتبار ٹھرتی ہیں تو پھر لفظ اعتبار ہمیں اپنی لغات اور اپنے ادب سے نکالدینا چاہیے۔

۵۔ محدثانہ اسلوب میں جمع کی گئی روایات میں مؤلفین نے استنباط کو بھی ملحوظ رکھا کہ روایت میں نبی کریمؐ کا قول نقل کیا گیا ہے یا کوئی عملی واقعہ۔ اگر فرمانِ رسول نقل کیا گیا ہے تو اُس میں روایت باللفظ کا کس قدر لحاظ رکھا گیا ہے اور کوئی عملی واقعہ نقل کیا گیا ہے تو روایت بالمعنی کی اجازت کی حدود و قیود کا لحاظ رکھا گیا ہے یا نہیں۔

۶۔ محدثانہ اسلوب میں لکھی گئی اردو کتب سیرت میں بعض مؤلفین نے راوی اور روایات پر نقد و جرح کے بعض اسالیب پر بھی تبصرے کیے ہیں مثلاً مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے شبلی نعمانیؒ کی اس بات پر کڑی تنقید کی جبکہ انہوں نے واقدی کو مشہور دروغ گو افسانہ ساز اور ناقابل ذکر قرار دیکر ایک مقام پر اس کی روایت کو مسترد کر دیا، مولانا نے سیرت النبیؐ کے مختلف مقامات سے اُن روایات کا

حوالہ دیا ہے جو علامہ نے ابن سعد سے منسوب کی ہیں اور وہ تمام روایات ابن سعد نے واقدی سے ہی حاصل کی ہیں۔ (۸)

محدثانہ اور مؤرخانہ اسلوب میں فرق

سیرت نگاری کے محدثانہ اور مؤرخانہ اسلوب میں کچھ اقدار و اوصاف تو مشترک نظر آئیں گی جبکہ کچھ اوصاف میں باہم فرق کا مشاہدہ ہوتا ہے:

۱۔ مؤرخ جب کسی روایت کو نقل یا کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو وہ اُس وقت و زمانہ کے حالات و حوادث پر بھی گہری نظر رکھتا ہے اور ان حالات و حوادث کے تناظر میں ہی وہ اس واقعہ کو بیان کرتا ہے جبکہ محدث نہ صرف اس زمانہ کے واقعات و حوادث کو پیش نظر رکھتا ہے بلکہ وہ جس راوی یا جس سند سے روایت نقل کر رہا ہے، سند کے تمام مراحل پر وہ اس کی نقل کی کیفیات سے بھی واقف ہوتا ہے کہ روایت استاد سے سنی گئی یا استاد کے سامنے پڑھی گئی، نقل روایت کے وقت شاگرد تنہا تھا یا شاگردوں کی پوری جماعت وہاں موجود تھی۔

۲۔ علامہ ابن خلدونؒ نے مؤرخ کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ مؤرخ نہ صرف تاریخی واقعات پر گہری دسترس رکھتا ہو بلکہ وہ ان واقعات کے پس منظر اور وجوہات پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔ اور پھر اُن کے عواقب و نتائج بھی اُس کی نظر سے پوشیدہ نہ ہوں۔ ابن خلدونؒ ان چیزوں کا لحاظ کیے بغیر روایات نقل کرنے والے مؤرخین کو بچگانہ حرکت کا مرتکب قرار دیتا ہے۔ (۹)

اسی طرح محدث بھی نہ صرف یہ کہ ہر روایت کے اسباب ورود، کسی مخصوص واقعہ کے پس منظر میں پیش آنے والے مخصوص حالات کو بھی اپنی گرفت میں لاتا ہے اور روایت نقل کرتے وقت انھیں نقل کر کے اس واقعہ کے مخصوص پس منظر سے پردہ اٹھاتا ہے۔

۳۔ مؤرخ عام طور پر غیر جانبدارانہ انداز میں واقعات کو نقل کرتا ہے۔ تاریخی واقعات سے کسی طرح کی جذباتی وابستگی کا نہ ہونا، مؤرخ کی خوبی اور غیر جانبدارانہ تحقیق کہلاتا ہے لیکن محدث جب روایت نقل کرتا ہے تو اس روایت کی نقل کی حد تک تو وہ غیر جانبدار ہوتا ہے کہ روایت اس کی رائے کے مطابق ہے یا خلاف، اسے وہ نقل کریگا اور اس کے صحیح درجہ اور رتبہ کو بھی متعیّن کریگا، لیکن محدث نبی کریم ﷺ سے جو والہانہ اور جذباتی عقیدت و محبّت رکھتا ہے، مؤرخ میں اُن جذبات کا پایا جانا ضروری نہیں ہوتا۔

۴۔ مؤرخ عام طور پر اپنی روایت کے مصادر و منابع، اسناد اور اُس میں نقل کرنے والے رجال کی ثقاہت و کردار پر بحث نہیں کرتا جبکہ ایک محدث اپنی نقل کردہ روایت کے رجال سے متعلق مکمّل معلومات رکھتا ہے اور بوقت ضرورت انھیں واضح بھی کر دیتا ہے۔

۵۔ محدث کا معیار و اسلوبِ تحقیق مؤرخ کے معیار کے تحقیق سے بہت بلند ہوتا ہے، محدثین اور ماہرینِ اصول، حدیث نے ان معیارت کی درجہ بندی اور ثقاہت وتعدیل یا جرح وتنقید کے لیئے بڑی احتیاط سے جو معیارات متعیّن کیے ہیں وہ دنیاءِ علم ودانش میں اپنی نظیر آپ ہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تاریخ یا مؤرخ کے قبول روایت کے مطابق اعلیٰ ترین معیارات پر قرار دی جانے والی روایت بعض اوقات محدثین کے ادنیٰ ترین معیار کے برابر بھی نہیں ہوتی۔(۱۰)

اردو ادب میں سیرت کا محدثانہ اسلوب

اردو ادب میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے حوالہ سے جو ذخیرہ ادب تیار ہوا ہے، اُس میں دیگر اسالیب کے ساتھ محدثانہ اسلوب بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اردو ادب میں سیرت کے محدثانہ اسلوب پر تالیفات وکتب کا وسیع ذخیرہ موجود ہے، سطورِ آئندہ میں ان میں سے چند کتب کے مجموعی اسلوب کی روشنی میں ان کے اسلوب کا مختصر جائزہ لیا جائے گا اور پھر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی سیرت المصطفیٰ کا جائزہ لیا جائے گا۔

اصح السیر فی ھدی خیر البشر ﷺ

(تالیف: حکیم مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف قادری داناپوری)

حکیم داناپوری اپنی کتاب کے مقدمہ میں محدث اور سیرت نگار کے طرز واسلوب تحقیق کا فرق بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں اور اسی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ داناپوری نے اپنی کتاب میں سیرت کے بیان کا محدثانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ داناپوری لکھتے ہیں:

اصحاب حدیث دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا۔

۳۔ رسول اللہؐ کے سامنے یا رسول اللہؐ کے وقت میں کیا گیا۔ اصحاب سیرت بھی انہیں تین امور کو جمع کرتے ہیں۔

اس لیے اصل کام دونوں کا ایک ہے۔ مگر باوجود اِس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے۔ اور رسول اللہؐ کی ذات سے اُن کی بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے۔ اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہؐ کو جاننا ہے۔ احکام پر بحث اُن کے یہاں ضمناً ہوتی ہے۔ اس لیے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا یہ قول رسول اللہؐ کا ہے یا نہیں۔ اُن کی تمام تر قوت اس تحقیق میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہؐ کی طرف صحیح ہے یا نہیں لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوا اس کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں، یہ کہ حضورؐ نے

کب ایسا کہا یا کیا۔ دوئم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی۔ اصحاب سیرت حضورؐ کے اقوال وافعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اُس کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔ اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قول یا یہ فعل رسول اللہؐ کا ہے تو وہ رسول اللہ کی سنت اور آپؐ کا طریقہ ہو گیا۔

گو یہ نہ معلوم ہو کہ رسول اللہؐ نے کب کس دن کس تاریخ ایسا کہا یا ایسا کیا۔ اس فرق کی وجہ سے اصحاب سیرت اور اصحاب حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں اور معیارِ تحقیق بھی دونوں کا جدا ہو گیا۔ محدثین رواۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور دیانت کی کمی، زیادتی کی بناء پر مقبول رواۃ کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں اور اصحاب سیرت حالات کی موافقت اور واقعات کے علم کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔

محدثین نے رسول اللہؐ کے قول وفعل کی صحت دریافت کرنے کے لیے جس احتیاط سے قواعد بنائے ہیں اُس کی نظیر عالم میں نہیں مل سکتی۔ وہ بے سند کسی بات کو قبول نہیں کرتے۔ رواۃ حدیث میں سے ایک ایک کے حالات کی نہایت احتیاط سے تنقیح کی ہے۔ مدارج مقرر کر دیئے ہیں اور بتا دیا ہے کہ کس کی بات کہاں تک قابل قبول ہے اور کہاں تک قابل رد۔

اصحاب حدیث ہوں یا اصحاب سیرۃ، جھوٹوں کی روایتیں کوئی قبول نہیں کرتا۔ (۱۱)

محدثین اور سیرت نگاروں کے اسلوب تحقیق میں اس تفاوت وتوافق کو بیان کرنے کے بعد دانا پوری درحقیقت اِن دونوں کو ایک جماعت قرار دیتے ہیں۔ دانا پوری فرماتے ہیں:

یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اصحاب سیر اور اصحاب حدیث واقعی دو جماعت نہیں ہیں جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں اور جتنے اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی۔ مگر سیرت پر جب اُن کو واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں اور سیرت کے مقاصد کو پورا کرنا ہوتا ہے تو اس کے شرائط اور وجوہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر زمانے میں بڑے بڑے اصحاب تقویٰ و دیانت اُن امور کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ جس کا اصحاب سیرت کو بیان کرنا ضرور ہے۔ اور جس کو اصحاب حدیث نے بھی ناسخ ومنسوخ سمجھنے کے لیے، احکام کی ترتیب کو جاننے کے لیے اور بہت سے احادیث کا صحیح مطلب سمجھنے کیلیے ضروری سمجھا ہے۔ اس لیے اصحاب سیرت کو ایسی معلومات کا اخذ کرنا ضروری ہو گیا۔ گو وہ ایسے لوگوں سے ملے جو ثقاہت اور تدیّن میں بہت اعلیٰ پایہ کے نہ ہوں مگر معتبر ہوں اور اُن پر شدید جرح نہ ہوئی ہو۔ اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی پیدائش کے وقت یا اُس کے قریب حجاز کی معاشرتی یا مذہبی حالت کیا تھی۔ اس کے لکھنے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات سے حالات میں کیا تغیّرات ہوئے۔ اور کون سا حکم کس کس مناسبت سے دیا گیا۔ یہ بغیر اُن حالات کو جانے معلوم نہیں ہو سکتا۔ محدثین کے شرائط کے موافق ایک روایت بھی ان معلومات کے متعلّق نہیں مل سکتی۔

الاّ وہ جو خود جناب رسول اللہؐ نے بیان کی پیدائش سے نبوت تک کے حالات کی بھی یہی حالت ہے۔ بڑے سے بڑے محتاط محدثین نے بھی یہی کیا کہ رسول اللہؐ کے بیان کے علاوہ صحابہ اور کبار تابعین کے صحیح اقوال کو جمع کیا ہے۔ گو واقعہ کے وقت وہ موجود نہ تھے۔ کیونکہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔

مغازی کے حالات دونوں لکھتے ہیں محدثین بھی اور اصحاب سیرت بھی مگر دونوں کے لکھنے میں فرق ہے۔ فتح مکہ کے متعلق محدثین اتنا لکھتے ہیں کہ قریش نے حدیبیہ کا معاہدہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر ظلم کیا جو رسول اللہؐ کے حلیف تھے اس لیے رسول اللہؐ نے حملہ کیا اور فتح مکہ ہوا۔ لیکن اصحاب سیرت اتنا نہیں لکھتے وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ معاہدہ کتنا اہم تھا۔ بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ عرصہ سے چلی آرہی تھی۔ اُس معاہدہ کی وجہ سے وہ جنگ رک گئی تھی۔ قریش نے عہد توڑ کر پھر اُس جنگ کو مشتعل کر دیا تھا۔ اس کی توضیح اسی طرح ممکن تھی کہ بنی بکر اور بنی خزاعہ کے نزاعات کی کچھ تاریخ بیان کریں۔ مگر اس باب میں محدثین کے شرائط کے موافق واقعات تک متدیّن مسلمانوں کی متّصل روایت کیونکر مل سکتی تھی اور ایسی روایت نہ ملنے کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ بنی الدیل کے لوگوں نے جو کچھ اپنے کافر باپ دادا سے سنا تھا اور جس میں عرصہ تک وہ خود مبتلا رہ چکے تھے وہ سب قابل اعتبار نہ ہو اور رد کر دیا جائے۔(۱۲)

داناپوری نے اپنے اس محدثانہ اسلوب کی پابندی اپنی کتاب میں از اول تا آخر کی ہے۔ دعوت اسلامی کے ابتدائی دور پر گفتگو کرتے ہوئے سابقین اولین کے اسماء گرامی بیان کرتے ہوئے داناپوری نے ایک جانب محدثین کے بنیادی مصادر پر دارومدار کیا تو دوسری جانب حوالہ جات میں ان کے تعارف پیش کرنے میں بھی ائمہ اسماء الرجال کے اسلوب کی پیروی کی ہے، ان میں سے جن صحابہ کی بحیثیت محدثین شہرت ہوئی ان کو بھی علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔(۱۳)

سیرت کے محدثانہ اسلوب میں ماضی قریب میں الرحیق المختوم اور عصرِ حاضر میں السادق الامین اور خصائص النبی نمائندہ حیثیت رکھتی ہیں۔

الرحیق المختوم

مولینا صفی الرحمٰن مبارکپوری۔

صفی الرحمٰن بن عبداللہ مبارکپوری ۱۹۴۲ء کے وسط میں ضلع اعظم گڑھ (انڈیا) کی ایک بستی حسین آباد میں پیدا ہوئے۔ مبارکپور میں آپ نے تعلیم حاصل کی اور ناگپور میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۷۲ء مادرِ علمی دارالتعلیم مبارکپور کی انتظامیہ نے آپ کو وہاں انتظام درس وتدریس کی دعوت دی جو آپ نے قبول کر لی۔

مولانا مبارکپوری علوم الحدیث، علوم العقائد، مذہب کے تقابلی مطالعہ کے حوالہ سے مختلف کتب کے مؤلف ہونے کے علاوہ سیرت النبیﷺ پر دنیا بھر میں اول انعام یافتہ کتاب الرحیق المختوم

کے مؤلف بھی ہیں۔مولانا نے اپنی کتاب میں محدثانہ اسلوب اختیار کیا ہے اور ایجاز واختصار کے ساتھ واقعات سیرت کو خوبصورت لڑی میں پرو دیا ہے۔

مولانا مبارکپوری نے نبی کریمﷺ کے بچپن کے واقعات کی زیادہ تفصیلات نقل نہیں کیں۔البتہ بدءِوحی اور فترۃ الوحی کی کیفیات اور لیل وحی کی تاریخِ نزول کے حوالہ سے قابل قدر تحقیقات پیش کی ہیں۔اس ضمن میں صحیح بخاری کے علاوہ سید قطب کی فی ظلال القرآن، ابن حجر کی فتح الباری، ابن ھشام کی سیرت النبیﷺ، صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، سنن بیہقی اور حاکم کی المستدرک کو اپنا مصدر بنایا ہے۔مولانا کے مصادر سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی کتاب میں محدثانہ رنگ غالب ہے۔(۱۴)

الصادق الامین

ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی

ڈاکٹر لقمان السّلفی کی کتاب الصادق الامین دور جدید کے ذخیرہ سیرۃ میں ایک معتبر اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔مؤلف نے اپنی تحقیق کے ماٰخذ ومصادر بیان کرتے ہوئے پہلا ماخذ قران کریم اور دوسرا ماخذ نبی کریم کی احادیث مبارکہ کو قرار دیا ہے۔۷۳۶ صفحات اس کتاب کے زیادہ تر مآخذ صحاح ستہ پر مشتمل ہیں۔(۱۵)

خصائص النبی

حافظ زاہد علی

پیغمبر اسلامﷺ کی خصوصیات پر حافظ زاہد علی کی کتاب بھی دور جدید کی محدثانہ اسلوب کی عمدہ کتاب ہے۔دو جلدوں پر مشتمل اس کتاب احادیث مبارکہ کی بنیاد پر نبی کریمﷺ کی شخصی وذاتی اور نبوی و پیغمبرانہ خصائص پر مدلل انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔(۱۶)

سیرۃ المصطفیٰ

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کا تعلق یوپی کے قصبہ کاندھلہ سے تھا۔یہ قصبہ برگ وگل کے اعتبار سے زرخیز اور افراد کے اعتبار سے مردم خیز ہے۔بقول احسان دانش:

> ”کاندھلہ مین متعدد شاعر بھی تھے، اور جید مولوی بھی، انگریزی کے فارغ التحصیل فضلاء بھی اور اصول وعقیدہ کے لحاظ سے انگریزی کو گناہ خیال کرنے والے صاحبِ نظر بھی، نیز پرانی فیشن کے وہ علماء بھی جن کی علمیت کے باعث بڑی بڑی درسگاہیں دنیا بھر کے دارالعلوم کاندھلہ کا نام عزت سے لیتے ہیں۔“(۱۷)

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو مولانا پیدا ہوئے۔تعلیم وتدریس کا آغاز

ہندوستان میں ہی ہوا اور دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ نے پاکستان ہجرت کی اور ۸ رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو لاہور مین وفات پائی۔[۱۸]

علمِ تفسیر میں معارف القرآن، علم الحدیث میں التعلیق الصبیح، عقائد وکلام میں علم الکلام اور سیرت رسول میں سیرت المصطفیٰ مولانا کی علمی اور تصنیفی زندگی کے چند نمایاں نام ہیں۔

سیرت المصطفیٰ اردو ادب میں تصنیف کی گئی کتبِ سیرت میں چند مقبول ترین کتب میں شمار ہوتی ہے۔ مولانا نے یہ چار حصوں پر مشتمل تالیف کی ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۱ء میں اس کتاب کی تصنیف مکمّل ہوئی، مولانا کے زمانۂ حیات میں یہ کتاب متعدد مرتبہ شائع ہوئی، ۱۹۹۰ء میں یہ کتاب احقر کی تدوین وتخریج کے ساتھ شائع ہوئی۔

مولیناؒ کاندھلوی اپنی کتاب کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کی اصل سیرت تو پوری حدیث ہے لیکن متقدمین کی اصطلاحات میں فقط غزوات اور سرایا کے حالات اور واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے ہیں۔ حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے اور سیرت اس کا ایک جزو ہے۔

سیَر آداب وتفسیر وعقائد   فتن اشراط واحکام ومناقب

لیکن اس زمانہ میں سیرت کا اخلاق سوانح عمری سے کیا جاتا ہے۔ محدثین نے جرح وتعدیل کے جو قوائد مقرر کئے اور صحیح وسقیم کے پہچاننے کا جو معیار قائم کیا ہے وہ بلا کسی تفریق وتخصیص کے ہر جگہ ملحوظ رکھا گیا اور تمام حدیثیں خواہ احکام سے متعلّق ہوں یا مغازی اور مناقب سے سب اسی معیار سے جانچی گئیں البتہ جن حدیثوں پر دین کا دارومدار تھا جیسے عقائد اور حلال وحرام، محدثین نے ان کے قبول کرنے میں زیادہ تشدد سے کام لیا اور جن حدیثوں پر دین کا دارومدار نہ تھا جیسے فضائل ومناقب وہاں کسی قدر وسعت اور سہولت سے کام لیا گیا اس لیے کہ وہاں کوئی عمل مقصود نہیں محض علم مقصود ہے۔

اس لیے ایسے مقام پر توسیع ہی مناسب ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل سے مروی ہے:

﴿اذا روینا فی الحلال والحرام تشدد واذا روینا فی الفضائل تساھلنا﴾

(جب ہم حلال وحرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو تشدد کرتے ہیں اور جب فضائل ومناقب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔)

الحاصل صحت اور ضعف کا جو معیار ہے اور جو ضابطہ احادیث میں ہے وہی مغازی اور سیر میں ہے۔ اسی ضابطہ سے سب احادیث کو جانچا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق بلا کسی تفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام کیا انہوں نے ہر قسم کی حدیثوں کو خواہ احکام کی ہوں یا مغازی اور مناقب کی سب کو صحیح طور پر جمع کیا جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ؛ منتقی ابن

جارود، صحیح ابن حبان۔ ان کتابوں میں سیرت اور مناقب کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اور سب صحیح ہے اور جن محدثین نے اپنی کتاب میں صحت کا التزام نہیں کیا ان کا مقصد یہ تھا کہ حدیث کا ذخیرہ جمع ہو جائے اور آنحضرت ﷺ سے جو منقول ہوا ہو وہ سب ایک بار محفوظ ہو جائے بعد میں اس کی تنقیح کر لی جائے گی اس لیے کہ جب سند موجود ہے تو پھر اسے جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھنا کیا مشکل ہے۔ الغرض ان حضرات نے حدیث کے جمع کرنے کا پورا اہتمام اور اس کی کوشش کی کہ کوئی حدیث جمع ہونے سے نہ رہ جائے۔

حضرات محدثین نے جہاں ایک طرف جرح و تعدیل کے اصول مقرر فرمائے تاکہ کوئی غلط بات ذات نبوی سے منسوب نا ہو جائے۔ کذب النبی اگرچہ متعمدانہ ہو تب بھی کذب اور خطا ضرور ہے۔ اسی طرح محدثین نے دوسرے طرف یہ احتیاط کی کہ جو روایت ان کو ملی بلا کم و کاست سند کے ساتھ اس کو درج کتاب کر دیا تاکہ ذات نبوی کے متعلق کوئی علم مخفی نہ رہ جائے اور کوئی کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہو وہ گم نہ ہونے پائے اور یہ سند اگرچہ مستند نہ ہو لیکن ممکن ہے کہ یہ روایت کسی دوسری سند سے منقول ہو جائے تو تعدد سند اور اختلاف طرق کو دیکھ کر آئندہ کے اہل علم اس کا خود فیصلہ کر لیں گے کہ یہ روایت کس درجہ مستند ہے۔ بہت سی صحیح روایتیں متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حد تواتر اور شہرت کو پہنچ گئیں۔ لہٰذا جن محدثین نے رطب و یابس روایت کو جمع کیا وہ بے احتیاطی نہیں بلکہ **بلغو عنی و لو آیۃ** 'یعنی مجھ سے جو سنو وہ پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک کلمہ ہی ہو' کے اعتبار سے غایت درجہ کی احتیاط ہے۔ (۱۹)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی کتاب سیرۃ المصطفیٰ میں بھی اپنے مخصوص محدثانہ اسلوب کو پوری کتاب میں برقرار رکھا۔ (۲۰)

مولانا نے محدثانہ رنگ میں، محدثین کے اصول و ضوابط کی روشنی میں سلف صالحین کی کتب کا ایک بہترین نچوڑ اور جوہر سیرۃ المصطفیٰ کی شکل میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

مولانا نے اپنی کتاب کی تالیف میں ایک محتاط انداز کے مطابق کم و بیش ۱۰۰ کتب سے استفادہ کیا ہے۔ ان کتب میں علامہ زرقانیؒ کی شرح مواہب اللدنیہ اور ابن قیمؒ کی زاد المعاد سے خصوصا بہت زیادہ کسب فیض کیا ہے۔ یہ دونوں کتب مولانا کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ مولانا نے اپنی کتاب میں چونکہ آثار و احادیث بکثرت نقل کی ہیں اور جہاں ضرورت سمجھی ان کی مختلف سندیں بھی بیان کیں اور ائمہ جرح و تعدیل کی آراء کی روشنی میں راویوں پر بھی گفتگو کی۔ اس وجہ سے شخصیات کے ناموں کی کثرت ہے، دو جلدوں کا اشاریہ جس میں شخصیات قبائل اور مقامات موجود ہیں ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۲۱)

نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی کے نزول کے واقعات میں بطورِ خاص مولانا کا محدثانہ رنگ نمایاں ہو کر نظر آتا ہے۔ مولانا نے قرآن کریم کی آیات مبارکہ کے علاوہ، صحیح بخاری، ابن حجر کی فتح الباری اور الاصابہ، ابن ہشام کی سیرت النبیؐ، طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن سید الناس کی عیون الاثر، زرقانی کی شرح مواہب اللدنیہ اور سیوطی کی الخصائص الکبریٰ کے حوالوں سے غارِ حراء میں نازل ہونے والی پہلی

وحی کی کیفیات، آپؐ کا گھر واپس تشریف لانا، حضرت خدیجہؓ کا آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر جانا اور ورقہ بن نوفل سے آپؐ کی اور حضرت خدیجہؓ کی گفتگو کے واقعات پوری جزئیاتی تفصیلات کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ (۲۲)

بدء الوحی کی اس بحث کے ساتھ مولانا نے فوائد ولطائف کے عنوان سے منصبِ نبوت و رسالت کے چالیس سال کی عمر کی حکمت پر لطیف بحث کی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

اصل عمر تو انسان کی چالیس ہی سال ہے اس کے بعد تو انحطاط اور زوال ہے اسی طرح جب آپ کے قوائے جسمانیہ و روحانیہ حد کمال کو پہنچ گئے اور تجلّیات الٰہیہ اور نفحات قدسیہ کے قبول کرنے کی استعداد مکمّل ہوگئی، تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرمایا **واللّٰہ یختص برحمته من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم** (البقرہ: ۱۰۵)

شعبی کی ایک مرسل روایت میں ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ بعثت کے بعد کچھ عرصہ تک اسرافیل علیہ السّلام آپ کی معیت اور رفاقت کے لیے مامور ہوئے۔ وقتاً فوقتاً آپ کو محاسن آداب وغیرہ کی تلقین وتعلیم فرماتے مگران کی توسط سے کبھی قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی سنداس روایت کی صحیح ہے۔

اسرافیلؑ کی معیت ورفاقت میں اس طرف اشارہ تھا کہ یہ نبی آخری نبی ہیں ان کے بعد قیامِ قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اسرافیلؑ ہی نفخ صور کے لیے مامور ہو چکے ہیں انہی کے صور پھونکنے سے قیامت قائم ہوگی **ذکرہ السیوطی فی الاتقان نقلا عن بعض الائمة** (۲۳)

آثارِ وحی ونبوت پر مشتمل حضرت عائشہ کی طویل حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

حدیث کا یہ لفظ ثم حبب الیہ الخلاء یعنی خلوت وعزلت کی محبّت ڈال دی گئی۔ صیغۂ مجہول لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خلوت کی محبّت خود بخود پیدا نہیں ہوئی بلکہ کسی ڈالنے والے نے دل میں ڈال دی ہے۔ یعنی اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ کا عطیہ ہے اور خلوت کی محبّت اس لیے دل میں ڈالی گئی کہ خلوت وعزلت یعنی مخلوق سے علیحدگی اور تنہائی تمام عبادتوں کی جڑ ہے بلکہ خلوت خود مستقل عبادت ہے اور اگر خلوت کے ساتھ ذکر وفکر کی عبادت بھی مل جائے تو سبحان اللّٰہ نور علی نور ہے۔ (۲۴)

اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مبتدی کے لیے خلوت وعزلت ہی مناسب ہے۔ گھر میں اور اہل وعیال میں رہ کر اچھی طرح عبادت نہیں کر سکتا۔ منتہی کے لیے خاص خلوت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کامل اور منتہی کے لیے اہل وعیال کی صحبت تعلّق مع اللّٰہ سے مانع نہیں ہوتی۔

واقعہ معراج کے بیان میں محدثانہ اسلوب

حکیم عبدالرؤف داناپوری نے اپنی کتاب اصح السیر میں نبی کریم ﷺ کے واقعہ معراج کو بہت

اختصار سے بیان کیا ہے، اس بیان میں دانا پوری نے امام زھری اور ابن عبد البر کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ (۲۵)

مولٰینا محمد ادریس کاندھلوی کا محدثانہ اسلوب سیرۃ المصطفیٰ میں واقعہ معراج کے بیان میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔

مولٰینا نے یہ واقعہ پوری تفصیل اور مکمّل جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ واقعہ معراج کا یہ بیان ۳۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولٰینا نے واقعہ کی مختلف جزئیات کے بیان میں مختلف احادیث اور آثارِ صحابہ کو اپنا مقصد تحقیق بنایا ہے۔ مولٰینا نے نہ صرف اس واقعہ اور اس کی تفصیلات کے بیان میں محدثانہ اسلوب اختیار کیا ہے بلکہ بعض جگہ متن میں اور بعض مقامات پر حواشی میں روایات کے اختلاف کو بھی واضح کیا ہے۔ مثلاً بیت المقدس میں نبی محترم ﷺ کے نزول اقدس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے امام مسلم کی روایت نقل کی۔ اس عبارت کے درمیان چند الفاظ قوسین میں دیے گئے ہیں اور حاشیہ میں واضح کر دیا ہے کہ بین القوسین عبارت مسلم کی روایت میں نہیں ہے۔ (۲۶)

اسی طرح مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السّلام سے ملاقات اور ان کے کلماتِ ترحیب و تحمید کی نقل میں مولٰینا نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے علاوہ زرقانی کی شرح مواھب اللدنیہ، ابن کثیر کی تفسیر القرآن العظیم اور البدایۃ والنھایۃ اور سیوطی کی الخصائص الکبریٰ سے روایات نقل کی ہیں۔ (۲۷)

سدرۃ المنتھیٰ اور مقامِ صریف الاقلام کے توضیح بھی پیش کی اور حاشیہ میں واضح کر دیا کہ صریف الاقلام پر پہنچنا، بخاری اور مسلم میں ابن عباس اور ابوحبہ انصاری سے مروی ہے باقی صریف الاقلام کی شرح زرقانی سے ماخوذ ہے۔ (۲۸)

سفر معراج میں نبی کریم ﷺ کا بارگاہِ الٰہی میں ہم کلام ہونے کی سعادت اور دیدار پر محدثانہ اور محقّقانہ انداز میں بحث کی ہے۔

حضرت ابوھریرۃ کی ایک تحویل حدیث نقل کرنے کے بعد جس میں مولانا نے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جو ربّ کائنات نے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرماتے تھے اِن کلمات کو نقل کرنے کے بعد مولانا نے راوی کی تعدیل و توثیق کے حوالہ سے مختلف ماہرین جرح و تعدیل کے الفاظ نقل کیے:

> "وقال السیوطی فی الآیۃ الکبریٰ فی شرح قصۃ الاسراء اخرجهٗ الحاکم وغیرہ ورجالهٗ موثقون اِلّااِنّ ابا جعفر الرازی وثقهٗ بعضهم و ضعفهٗ بعضهم وقال ابوزرعۃ یتهم وقال الحافظ ابن کثیر الاظهرانهٗ سیئی الحفظ" (۲۹)

مولانا اطہر مبارک پوریؒ نے واقعہ معراج کو بیان کرنے کے لیے ابن القیمؒ کی زاد المعاد، قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی رحمۃ للعالمین ابن ہشامؒ کی سیرت النبی، مختلف کتب تفسیر کے علاوہ صحیح بخاری کی جلد

اول کے ۹ اور جلد دوم کے ۲ مقامات سے اور صحیح مسلم جلد اول کے چھ مختلف مقامات سے استفادہ کیا ہے۔(۳۰)

قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے واقعہ معراج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا، اس ضمن میں صحیح مسلم، ابن القیمؒ کی زاد المعاد سے حضرت عائشہؓ، معاویہؓ اور حسن بصریؒ کی روایات سے استفادہ کیا ہے۔(۳۱)

غزوات اور تصورِ جہاد کے سلسلہ میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور قاضی اطہر مبارک پوری کا محدثانہ رنگ ممتاز ہو کر سامنے آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، لاہور، الفیصل، ۱۹۹۱، ج ا: ص ۲۶

۲۔ دانا پوری، ابوالبرکات حکیم عبدالرؤف مولینا، اصح السیر فی ہدی خیر البشر، کلکتہ مطبع ستارہ، ۱۹۳۲ء، ج ا: ص ۱۳

۳۔ اشفاق، رفیع الدین سید، ادو کی نعتیہ شاعری: ص ۹

۴۔ خالد، انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول، لاہور، اقبال اکیڈمی، ۱۹۸۹ء: ص ۲۱۹

۵۔ حوالہ بالا

۶۔ کوثر نیازی، مولینا، جنہیں میں نے دیکھا، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۸۹ء: ص ۴۵

۷۔ غازی، محمود احمد ڈاکٹر، محاضرات سیرت، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۷ء: ص ۱۹۷

۸۔ کاندھلوی، محمد ادریس مولینا، سیرۃ المصطفیٰ، لاہور، مکتبہ عثمانیہ ۱۹۹۲ء، ج ا: ص ۱۳۰، تدوین وفہارس، محمد سعد صدیقی

۹۔ ابن خلدون، مقدمہ، ص: ۴

۱۰۔ محدثین کے معیارِ تحقیق کی تفصیلات علم الجرح والتعدیل کی کتب میں موجود ہیں، بنیادی معلومات کے لیے راقم کے درج ذیل تین مقالات ملاحظہ فرمائے جا سکتے ہیں:

الف) علمِ حدیث میں جرح وتعدیل، فکر ونظر، اپریل۔ جون ۱۹۸۸ء

Criticism In The Narrators of Hadith- A Pelude, Al qalam 14/14 December 2009

Garrison of The Science of Hadith- Formation and Development of Standards, Al Qalam,15/1 June 2010

۱۱۔ دانا پوری،، اصح السیر، ج ا: ص ۸ ۱۲۔ ایضا: ج ا: ص ۹، ۱۰

۱۳۔ ایضا: ص ۵۹ تا ۶۹

۱۴۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، الرحیق المختوم، ص: ۹۶ تا ۹۸

۱۵۔ السّلفی، محمد لقمان ڈاکٹر الصادق الامین، مظفر گڑھ، الفرقان، س ن

۱۶۔ زاہد علی، حافظ، خصائص النبی ﷺ، لاہور، راحت پبلشرز، ۲۰۰۷ء

۱۷۔ احسان دانش، جہان دانش: ص ۲۰

۱۸۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے حالات، زندگی کی تفصیلات کے لیے دیکھئے:
صدیقی، محمد میاں مولانا، تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی، لاہور مکتبہ عثمانیہ

۱۹۔ کاندھلوی، کتاب مذکور، مقدمہ

۲۰۔ صدیقی، محمد سعد، علم تفسیر میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمات، مقالہ پی ایچ۔ ڈی: ص ۳۰۳

۲۱۔ کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ ج ۲: ص ۶۵۸ تا ۷۴۸

۲۲۔ کاندھلوی سیرت ج ۱: ص ۱۵۷ تا ۱۶۶

۲۳۔ ایضا، ج ۱: ص ۱۶۸، ۱۶۹

۲۴۔ حوالہ مذکور

۲۵۔ داناپوری، اصح السیر ج ۱: ص ۵۷، ۵۸

۲۶۔ کاندھلوی، سیرۃ، ج ۱: ۳۱۷

۲۷۔ ایضا: ج ۱: ص ۳۱۸ تا ۳۲۴

۲۹۔ ایضا: ج ۱: ص ۳۲۵

۳۰۔ مبارکپوری، قاضی اطہر، الرحیق المختوم: ص ۱۹۷ تا ۲۰۴

۳۱۔ منصور پوری، سلمان سلیمان قاضی، رحمۃ للعالمین: ص ۷۰ تا ۷۲